محمد سرور

فقہ اور مذاہب فقہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے جس کے شروع میں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایسی میزان القا کی ہے، جس سے میں ان تمام اختلافات کو جان لوں جو ملتِ محمدیہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ اور جس سے میں یہ بھی جان لوں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک حق کیا ہے۔ اللہ نے مجھے اس قابل بھی کیا ہے کہ میں ان امور کو اس طرح بیان کروں کہ اس کے بعد کوئی شبہہ اور اشکال نہ رہے، مجھ سے یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ خاص طور پر فقہی احکام کے بارے میں صحابہ اور اُن کے بعد کے لوگوں میں اختلاف کا سبب کیا تھا؟ یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان امور کے متعلق مجھ پر جو کچھ منکشف ہوا اُسے بیان کرنے کے لیے میں نے قلم اُٹھایا ہے۔ یہاں اس رسالے کے مطالب کا اجمالی خلاصہ دیا جاتا ہے۔

فقہی فروعات میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں فقہ مدون نہیں تھی۔ اور نہ اس وقت احکام (فقہ) پر اس طرح بحث ہوتی تھی، جیسے یہ فقہا کرتے ہیں کہ ان احکام میں سے ہر چیز کے ارکان، شرائط اور آداب ہر ایک سے جدا جدا دلیل سے ثابت کرتے ہیں مسائل کی صورتیں فرض کرتے ہیں۔ پھر ان فرضی صورتوں پر بحث کرتے ہیں۔ جو چیز تعریف میں حد کے قابل ہوتی ہے اس کی حد اور جو لائق حصر ہوتی ہے، اس کے حصر کا تعین کرتے ہیں۔ اور اس طرح کی اور بھی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپؐ وضو فرماتے، اور صحابہ آپؐ کو وضو کرتے دیکھتے چنانچہ وہ اسے اختیار کر لیتے بغیر اس کے کہ آپؐ یہ بتاتے کہ یہ وضو کا رکن ہے۔ اور یہ وضو کے آداب میں سے ایک ادب ہے۔ اسی طرح آپؐ نماز پڑھتے اور صحابہ آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھتے۔ چنانچہ وہ ویسے ہی نماز پڑھتے، جیسا آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھتے۔ آپؐ نے حج کیا اور لوگوں نے آپؐ کو حج کرتے دیکھا۔ چنانچہ انھوں نے ویسے ہی حج کیا جیسے آپؐ نے کیا تھا۔

غرض آپؐ کا غالب طور پر یہی معمول تھا۔ آپؐ نے کبھی یہ بیان نہیں فرمایا کہ وضو کے فرض چھ ہیں یا چار اور نہ کبھی یہ فرض کیا کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی اس طرح وضو کرے کہ وہ اعضا پر برابر پانی نہ ڈالے جس کی وجہ سے وضو پر صحیح یا غیر صحیح ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔ اس بارے میں کبھی کبھی کچھ بیان فرما دیا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے متعلق صحابہ آپؐ سے بہت کم سوال کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول اللہؐ سے بہتر کوئی قوم نہیں دیکھی۔ انھوں نے آپؐ سے آپؐ کی رحلت تک صرف تیرہ سوال پوچھے، جن سب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ان میں سے ایک یہ تھا: یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فیه (تم سے (اے نبیؐ) حرمت کے مہینوں میں لڑنے کی بابت پوچھتے ہیں)۔ اور دوسرا سوال تھا یسئلونك عن المحیض (حیض کے احکام کے بارے)۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ صحابہ آپؐ سے وہی بات پوچھتے جو اُن کے لیے فائدہ مند ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جو واقعات رونما ہوتے اُن کے متعلق لوگ آپؐ سے فتویٰ پوچھتے اور آپؐ فتویٰ دیتے۔ اسی طرح آپؐ کے سامنے مقدمات پیش ہوتے اور آپؐ انھیں فیصل فرماتے۔ آپؐ لوگوں کو اچھا کام کرتے دیکھتے تو اُس کی تعریف کرتے۔ بُرا کام کرتے دیکھتے تو اُسے ناپسند فرماتے۔ آپؐ فتویٰ پوچھنے والے کے لیے جو فتویٰ دیتے، کسی مقدمے کا جو فیصلہ کرتے یا کسی بُرے کام کرنے والے کے بُرے کام پر جو اظہارِ ناپسندیدگی کرتے تو یہ سب کچھ اجتماعات میں ہوتا۔

ہر صحابی نے آپؐ کی عادات، فتووں اور فیصلوں میں سے جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے اُسے میسر ہوا وہ دیکھا۔ چنانچہ اُس نے انھیں یاد رکھا، سمجھا اور ہر چیز کی حیثیت اس کے فرائض کے لحاظ سے جانی۔ اُس نے ان علامات اور قرائن کی وجہ سے جو اس کے نزدیک کافی تھے بعض کو اباحت پر، بعض کو مستحب ہونے پر اور بعض کو نسخ پر محمول کیا۔ اس میں ان کا اعتماد اپنے وجدان کے اطمینان و تسکین پر تھا۔ اور استدلال کے طریقوں کی طرف ان کا التفات نہ تھا . . .

اختلاف کی ابتدا

پھر صحابہ مختلف شہروں میں پھیل گئے اور اُن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی علاقے کا مقتدا و پیشوا بن گیا۔ حالات بدلے تو واقعات بکثرت رونما ہوئے اور بہت سے مسائل پیدا ہو گئے جن کی بابت

صحابہ سے فتوے پوچھے جاتے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ہر ایک صحابی استفتا کا وہی جواب دیتا، جو اُس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوؤں اور فیصلوں میں سے یاد رکھا تھا یا اُن سے استنباط کیا تھا۔ اور اگر اپنے یاد رکھے ہوئے آپؐ کے فتوؤں اور فیصلوں اور اُن سے خود اپنے استنباط میں سے کوئی چیز ایسی نہ پاتا جو جواب کے قابل ہوتی تو اس صورت میں صحابی اپنے اجتہادِ رائے سے کام لیتا اور اس علت کو معلوم کرتا جسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کردہ منصوص میں حکم کی بنیاد بنایا تھا۔ چنانچہ جہاں وہ اس علت کو پاتا، وہاں حکم جاری کرتا۔ اس میں اس صحابی کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ یہ حکم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود و مرضی کے مطابق ہو۔ یہ تھی وہ صورتِ حالات، جس میں صحابہ کے درمیان اختلافات رونما ہوئے

یہ اختلافات کئی طرح کے تھے۔ ایک یہ کہ ایک صحابی نے کسی قضیے میں آپؐ کا کوئی فیصلہ یا فتوے سُنا اور دوسرے نے اُسے نہیں سُنا۔ چنانچہ دوسرے نے اس طرح کے قضیے میں اجتہاد کیا۔ اور اس کی بھی کئی صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ اس صحابی کا اجتہاد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے مطابق ہوتا۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک عورت کے بارے میں فتوے پوچھا گیا، جس کا کہ خاوند مر گیا تھا اور اس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا۔ عبداللہ بن مسعود نے لوگوں کے ایک ماہ کے اصرار کے بعد جو فتویٰ دیا حسنِ اتفاق سے بعد میں اس کی تائید میں ایک حدیث بھی مل گئی۔ اس سے وہ اتنے خوش ہوئے کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی خوش نہیں ہوتے تھے۔

دوسرے یہ کہ دو صحابیوں میں مناظرہ ہوتا۔ اور اس ضمن میں ایسی حدیث مل جاتی جس کی صحت کے بارے میں ظنِ غالب ہوتا، چنانچہ صحابی اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے سُنی ہوئی حدیث کو اختیار کر لیتا۔

تیسرے یہ کہ صحابی کو ایک حدیث پہنچتی، لیکن اس طرح کہ اس کی صحت کا ظن غالب نہ ہوتا۔ چنانچہ وہ صحابی اپنا اجتہاد ترک نہ کرتا اور حدیث کو مطعون قرار دیتا۔ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی مطلقہ عورت کے نفقہ اور سکنیٰ کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک روایت یہ کہہ کر مسترد کر دی تھی کہ ہم ایک عورت کے قول سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ . . چوتھے یہ کہ ایک صحابی تک کوئی حدیث سرے سے پہنچی ہی نہ ہو۔ . .

احکامِ فقہ کے متعلق صحابہ میں جو اختلافات ہوئے، اُن میں سے ایک اس طرح کا اختلاف بھی تھا کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عمل کرتے دیکھا۔ ان میں سے بعض نے آپؐ کے اس عمل کو عبادت پر محمول کیا اور بعض نے اُسے مباح سمجھا . . . اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک طواف میں رمل[1] کرنا درست ہے اور ابن عباس اس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل ایک وقتی ضرورت کے تحت اتفاق کے طور پر کیا تھا . . . اور ایک اختلاف کسی واقعہ کی تعبیر میں وہم کی وجہ سے ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آپؐ نے حج کیا اور لوگوں نے آپؐ کو حج کرتے دیکھا۔ بعض نے کہا کہ آپ متمتع تھے[2]۔ بعض نے قارن کہا اور بعض نے مفرد . . .

صحابہ کے ان اختلافات میں سے ایک اختلاف کی وجہ سہو و نسیان تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن عمر نے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے ایک عمرہ رجب میں کیا۔ جب حضرت عائشہ رضؓ نے یہ سنا تو انھوں نے اس پر سہو کا حکم لگایا۔

ایک اختلاف حدیث کو اُس کے اصلی معنوں میں ضبط نہ کرنے سے پیدا ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا۔ بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے سنا تو کہا کہ ابن عمر حدیث کو صحیح طرح سمجھ نہیں سکے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے گزرے اور اس کے گھر والے اس کے لیے رو رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ اُس پر رو رہے ہیں اور اُسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے ابن عمر یہ سمجھے کہ میت کے عذاب کی علت اس کے گھر والوں کا رونا تھا۔ اور ہر میت پر انھوں نے یہ حکم عمومی طور پر لگا دیا۔

صحابہ کے باہمی اختلافات کی ایک وجہ کسی حکم کی علت کے بارے میں اُن کا آپس میں اختلاف تھا۔

---

[1] طواف کرتے وقت اکڑ کر چلنا۔

[2] حج کے دنوں میں عمرہ کر کے سر منڈانا اور احرام اُتار دینا تمتع ہے۔ اس کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کو حج کے لیے دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے۔
حج اور عمرہ کی ایک ساتھ نیت کرنے والا قارن اور صرف حج کی نیت کرنے والا مفرد ہے۔

. . . اور ایک اختلاف اس لیے ہوا کہ وہ مختلف حکموں میں ان کے درمیان موافقت نہ ہو سکی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جنگ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی۔ پھر اس سے منع فرمایا۔ بعد میں جنگ اوطاس کے موقع پر اس کی اجازت دی۔ پھر اس سے منع فرمایا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اجازتِ متعہ ضرورت کے لیے تھی اور جب ضرورت نہ رہی تو اس کی ممانعت کر دی گئی اور یہ حکم بدستور باقی ہے۔ یعنی ضرورت کے وقت متعہ جائز ہے، اور جمہور کا کہنا یہ ہے کہ اجازت سے مقصود اُسے مباح کرنا تھا۔ اور ممانعت سے اس کا مباح ہونا منسوخ ہو گیا . . .

غرض خلاصہ مختصر یہ ہے کہ احکام فقہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور اُن سے تابعین نے یہ سب اس طرح اخذ کیا کہ ان میں سے ہر ایک کو جو میسر آیا، اس نے جو کچھ بھی آپؐ کی احادیث اور صحابہ کے مذاہب و مسالکِ فقہ کے ضمن میں سُنا، اسے محفوظ کیا اور سمجھا۔ اور حسب مقدرت اس سلسلے کی مختلف باتوں میں باہم مطابقت پیدا کی۔ بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور ان کے نزدیک بعض اقوال اگرچہ وہ کبار صحابہ سے مروی تھے، کمزور قرار پائے، جیسے کہ جنبی کے تیمم کرنے کے متعلق حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعود سے منقول ان کا مذہب ہے۔ کیونکہ اس بارے میں عمار، عمران بن حصین اور دوسرے لوگوں سے مروی حدیثیں مشہور ہو گئی تھیں۔

یہ صورت تھی جب علمائے تابعین میں سے ہر تابعی عالم کا فقہی مذہب اپنی اپنی جگہ جدا ہو گیا اور ہر شہر میں ایک امام بن گیا مثلاً سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور دونوں کے بعد زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن مدینہ میں امام ہوئے۔ عطا بن ابی رباح مکہ معظمہ میں، ابراہیم نخعی اور شعبی کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں، طاؤس بن کیسان یمن میں اور مکحول شام میں۔

بعد ازاں اللہ نے بعض دلوں کو اِن علمائے تابعین کے علوم کا پیاسا بنایا۔ وہ اِن علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے اِن علما سے حدیث، صحابہ کے فتاویٰ، اِن کے مذاہبِ فقہ اور خود ان کی تحقیقات اخذ کیں۔ جن لوگوں کو فتووں کی ضرورت پڑتی تھی، وہ ان علمائے تابعین سے فتوے لیتے تھے۔ نیز بہت سے مسائل اُن کے درمیان زیرِ بحث آئے اور بہت سے معاملات ان کے سامنے پیش کیے گئے۔ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی اور اُن جیسے دوسرے علمائے فقہ کے تمام ابواب مدون کیے۔ ان میں سے ہر باب

کے اُن کے پاس اصول تھے، جو انھوں نے سلف سے حاصل کیے تھے۔

اِس سلسلے میں سعید بن مسیب اور اُن کے اصحاب کا مذہب یہ تھا کہ اہلِ مکہ و مدینہ فقہ میں سب لوگوں سے زیادہ مستحکم مقام رکھتے ہیں۔ اور اُن کے مذہب کی بنیاد حضرت عمرؓ و حضرت عثمان کے فتووں اور اُن کے فیصلوں نیز عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے فتاویٰ اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلوں پر ہے۔ سعید بن مسیب اور اُن کے اصحاب نے ان کی وہ سب باتیں جمع کیں، جن کی اللہ نے انھیں توفیق دی۔ پھر انھوں نے ان باتوں کی جانچ پڑتال کی۔ چنانچہ ان میں سے جن پر علمائے مدینہ کا اتفاق تھا، انھیں تو انھوں نے بڑی مضبوطی سے لے لیا اور جن کے بارے میں اُن کے ہاں اختلاف تھا، اُن میں سے جو سب سے قوی اور سب سے قابلِ ترجیح بات تھی، وہ انھوں نے لے لی۔ اب کسی بات کا قوی تر یا قابلِ ترجیح ہونا یا تو اس لیے تھا کہ ان میں سے اکثر اس کے قائل تھے۔ یا وہ بات قوی قیاس کے مطابق تھی۔ یا کتاب و سنت سے واضح طور پر مستنبط تھی۔ یا اس طرح کی کوئی اور وجہ تھی۔ جب سعید بن مسیب اور اُن کے اصحاب ان باتوں میں جو انھوں نے سلف سے اخذ کی تھیں، اپنے روبرو پیش ہونے والے مسئلے کا جواب نہ پاتے تو وہ سلف کے کلام سے اس کا جواب استنباط کرتے۔ اور وہ اشارہ اور اقتضا کو ڈھونڈتے[1] اس طرح ان کے ہاں فقہ کے ہر ہر باب میں بہت سے مسائل جمع ہو گئے۔

جہاں تک ابراہیم نخعی اور اُن کے اصحاب کا تعلق ہے، اُن کی رائے تھی کہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب سب لوگوں سے بڑھ کر فقہ میں مستحکم مقام رکھتے ہیں۔ جیسا کہ علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کیا عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر صحابہ میں کوئی فقیہہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا اوزاعی سے یہ کہنا کہ ابراہیم سالم بن عبداللہ بن عمر سے بڑے فقیہہ ہیں۔ اور اگر اُن کا رسول اللہ صلعم کے صحابی ہونے کا امتیاز نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ عبداللہ بن عمر سے علقمہ بڑے فقیہہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔

ابراہیم نخعی کے مذہبِ فقہ کی بنیاد عبداللہ بن مسعود کے فتاویٰ، حضرت علیؓ کے فیصلے اور فتاویٰ نیز شریح اور کوفہ کے دوسرے قاضیوں کے فیصلے ہیں۔ ابراہیم نے ان فتووں اور فیصلوں کو جہاں تک کہ اللہ نے انھیں توفیق دی، جمع کیا، اور جیسے علمائے مدینہ نے اہلِ مدینہ کے آثار کا جائزہ لیا اور اُن کی جانچ پڑتال کی۔ اسی طرح ابراہیم نے اہلِ کوفہ کے آثار کو جانچا پرکھا۔ اور اُن سے اُسی طرح

[1] اگلے صفحے پر

مسائل کا استنباط کیا، جیسے علمائے مدینہ نے کیا۔ چنانچہ اُن کے پاس فقہ کے ہر ہر باب کے الگ الگ مسئلے جمع ہو گئے۔

اب صورت یہ تھی کہ سعید بن مسیب فقہائے مدینہ کے ترجمان تھے اور حضرت عمرؓ کے فیصلے اور اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی احادیث اُن کو سب سے زیادہ یاد تھیں۔ اسی طرح ابراہیم نخعی فقہائے کوفہ کے ترجمان تھے۔ یہ دونوں جب کسی مسئلے پر بات کرتے۔ اور اُسے کسی کی طرف منسوب نہ کرتے تو اُن کی یہ بات اکثر اوقات سلف میں سے کسی کی طرف یا تو صریحاً یا اشارۃً یا اُس سے ملتے جلتے کسی اسلوب سے منسوب ہوتی۔ ان دونوں یعنی سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی پر مدینہ اور کوفہ والوں کا اجتماع ہوا، انھوں نے ان سے علم اخذ کیا۔ اُسے سمجھا اور اُس سے نئے مسائل استنباط کیے باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

مذاہبِ فقہا میں اختلاف کے اسباب

تابعین (جن کا ذکر اوپر ہوا) کے زمانے کے بعد اللہ نے حاملینِ علم کا ایک گروہ پیدا کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وعدہ پورا ہو، جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس علم کے ہر بعد میں آنے والوں میں سے عادل لوگ حامل ہوں گے۔ چنانچہ اس گروہ نے ان تابعین میں سے جن سے وہ ملے وضو، غسل، نماز، حج نکاح، خرید و فروخت اور وہ امور جو بکثرت وقوع پذیر ہوتے ہیں، ان کی کیفیت وصفت اخذ کی نبی صلعم کی احادیث روایت کیں شہروں کے قاضیوں کے فیصلوں اور مفتیوں کے فتوے سُنے۔ مسائل دریافت کیے اور ان میں اجتہاد کیا۔ اس طرح وہ قوم کے بڑے بنے اور معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا گیا۔ یہ لوگ اپنے شیوخ اور اساتذہ کے طریقے پر چلے اور انھوں نے اشارۃ النص اور اقتضاء النص سے کام لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ چنانچہ انھوں نے فیصلے کیے۔ فتوے دیے۔ احادیث النبیؐ روایت کیں اور تعلیم دی۔ اس طبقے کے ان علما کا طریقہ کار ایک دوسرے کے مشابہ تھا ان کے اس طریقۂ کار کا خلاصہ

؎ اگر کسی نص کے الفاظ اپنے ظاہری معنوں پر دلالت کریں تو وہ عبارۃ النص ہے، اگر ظاہری معنوں کے علاوہ دوسرے معنوں پر دلالت کریں تو وہ اشارۃ النص ہے۔ اور اگر صحت الفاظ شرعاً یا عقلاً کسی معنی پر موقوف ہو تو وہ معنی اقتضاء النص ہے۔

یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو خواہ وہ مسند[1] ہو یا مرسل، قبول کیا جائے اور صحابہ اور تابعین کے اقوال سے یہ جانتے ہوئے استدلال کیا جائے کہ یہ آپ ہی کی نقل شدہ حدیثیں ہیں جنھیں صحابہ نے مختصر کر لیا اور اس طرح انھیں موقوف[1] بنا لیا۔ اس کی مثال ابراہیم نخعی کا وہ قول ہے، جس میں رسول اللہ صلعم سے بیع محاقلہ[2] اور بیع مزابنہ کی ممانعت مروی ہے۔ اس پر ان کو کہا گیا کہ کیا انھیں اس کے سوا رسول اللہ صلعم کی کوئی اور حدیث یاد نہیں۔ انھوں نے جواب میں کہا۔ کیوں نہیں۔ لیکن اس بارے میں عبداللہ بن مسعود اور علقمہ کا قول مجھے زیادہ پسند ہے۔ اسی طرح شعبی کا یہ قول ہے جب کہ ان سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا گیا۔ اور انھیں بتایا گیا کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسے مرفوع نہیں کہنا چاہیے۔ ہمیں یہ زیادہ پسند ہے کہ ایک حدیث رسول اللہ صلعم کے بعد کے کسی شخص سے منسوب ہو۔ کیونکہ اگر حدیث میں کچھ کمی بیشی ہوگی تو اس کی ذمہ داری آپ سے بعد کے شخص پر ہوگی (جس سے کہ وہ حدیث منسوب ہے)

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تابعین کے بعد تبع تابعین میں سے حاملین علم کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مسند اور مرسل ہر دو حدیثیں قبول کرتے تھے۔ نیز وہ صحابہ و تابعین کے اقوال سے استدلال کرتے تھے۔ ایک تو یہ جانتے ہوئے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ یہ اقوال رسول اللہ صلعم ہی سے منقول حدیثیں ہیں۔ جنھیں صحابہ نے مختصر کر لیا تھا اور دوسرے یہ جانتے ہوئے کہ صحابہ و تابعین کے یہ اقوال یا تو منصوص احکام سے خود ان کے استنباطات ہیں۔ یا یہ ان کے اجتہاد آرا کا نتیجہ ہیں۔ ان کے نزدیک صحابہ اور تابعین کا عمل ان لوگوں سے جو ان کے بعد آئے، زیادہ بہتر تھا۔ زیادہ صحیح تھا۔ زمانے کے اعتبار سے

---

[1] مرفوع وہ حدیث ہے، جس میں صراحت ہو کہ رسول اللہ صلعم نے یوں فرمایا۔ اور موقوف حدیث وہ ہے، جس میں صحابی ایک بات کہے اور یہ صراحت نہ کرے کہ یہ رسول اللہ صلعم نے فرمائی تھی۔

[2] زمین کی پیداوار میں سے تہائی یا چوتھائی حصہ دینا محاقلہ ہے، اور درخت پر لگے ہوئے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض بیچنا مزابنہ ہے۔

[1] مسند وہ حدیث ہے، جس کی پوری سند بیان کی جائے۔ اور اگر کوئی تابعی یا تبع تابعی بغیر سند کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتا ہے۔ تو یہ حدیث مرسل ہے۔

بھی اقدم تھا اور علم میں بھی بڑھ کر تھا۔ چنانچہ اس طرح صحابہ و تابعین کے اقوال کے اتباع کا تعین ہو گیا سوائے اس کے کہ کسی معاملے میں خود اُن کے اقوال آپس میں مختلف ہوں اور رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث اُن کے کسی قول کی ظاہر اطور پر مخالف ہو۔

غرض تبع تابعین کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جب وہ دیکھتے کہ آپؐ کی احادیث میں کسی مسئلے میں باہم اختلاف ہے تو وہ اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر صحابہ نے کسی حدیث کو منسوخ بتایا ہوتا۔ یا انھوں نے اس کے ظاہری معنی نہ لیے ہوتے اور اس کی تاویل کی ہوتی۔ یا انھوں نے اس ضمن میں کوئی بھی تصریح نہ کی ہوتی، لیکن ان کا اس حدیث کو ترک کرنے اور اس کے مطابق عمل نہ کرنے پر اتفاق ہوتا تو یہ گویا مصداق ہوتا، حدیث میں کسی علت کی نشان دہی یا اُس کے منسوخ ہونے اور اس کی تاویل کیے جانے کا۔ تبع تابعین نے ان سب امور میں صحابہ کا اتباع کیا۔

اِس کی مثال امام مالکؒ کا وہ قول ہے جو برتن میں کُتّے کے منہ ڈالنے کی حدیث کے متعلق ہے جس میں انھوں نے کہا کہ یہ حدیث تو ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ ابنِ حاجب کا کہنا ہے کہ مالکؒ کی اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے فقہا کو اس حدیث پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔ اور جب کسی مسئلے میں صحابہ اور تابعین کے مذاہبِ فقہ میں اختلاف ہوتا تو اس صورت میں تبع تابعین میں سے ہر عالم اپنے اہلِ شہر اور اپنے شیوخ و اساتذہ کا فقہی مذہب اختیار کرتا کیونکہ وہ اُن کے اقوال میں سے صحیح اور غیر صحیح و سقیم کو بہتر جانتا۔ اُن اقوال سے متعلق جو اُصول تھے، وہ اُسے زیادہ یاد تھے۔ اور یہ کہ اس کا دل اُن کی فضیلت اور اُن کی اجتہادی کوششوں کی طرف زیادہ مائل تھا۔ . .

یہی وہ طبقہ علما ہے، جن کے دلوں میں تدوینِ فقہ کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ مدینہ میں مالک اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب نے فقہ مدون کی۔ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے۔ ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں، اور ان سب نے وہ منہج و طریقہ اختیار کیا جس کا میں ذکر کر آیا ہوں۔

اسی زمانے میں خلیفہ منصور نے حج کیا۔ اُس نے امام مالکؒ سے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آپ نے جو کتاب مدون کی ہے، اُس کے متعدد نسخے کرا کر اور مسلمانوں کے ہر علاقے میں اُس کا

ایک نسخہ بھیجوں اور اُن کو حکم دوں کہ وہ اس کتاب پر عمل کریں اور اسے چھوڑ کر دوسری بات کی طرف نہ جائیں امام مالک نے کہا۔ اے امیر المومنین ایسا نہ کیجیے۔ کیونکہ لوگوں کے پاس اس سے پہلے سلف کے اقوال پہنچ چکے ہیں۔ انھوں نے احادیثِ نبوی سُنی ہیں اور روائتیں روایت کی ہیں۔ چنانچہ ہر قوم نے وہ بات لے لی جو اس تک پہلے پہنچی اور لوگوں کے اختلاف کے باوجود اُس پر اس نے عمل کیا۔ اے امیر المومنین! لوگوں کو اُن کے حال پر اور ہر شہر نے اپنے لیے جو اختیار کیا ہے، اس پر اُسے چھوڑ دیجیے۔ . . بعد ازاں مالک کے اصحاب نے اُن کی روایات اور اُن کے اختیار کردہ اقوال کو جمع کیا۔ ان کی تلخیص و تنقیح کی ان کی شرح کی۔ اُن سے اور مسائل استنباط کیے اور اُن کے اصول اور دلائل پر بحث کی۔ اصحابؓ مالک مغرب اور زمین کے دوسرے حصّوں میں پھیل گئے اور اللہ نے اپنی بہت سی مخلوق کو ان سے فائدہ پہنچایا۔ . .

امام ابو حنیفہؒ ابراہیم نخعی اور اُن کے ہم عصروں کے فقہی مذہب پر اوروں سے بڑھ کر جمے رہے اور وہ اس سے شاذ و نادر ہی تجاوز کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی کے مذہب کی اساس پر مسائل کے استنباط کرتے ہیں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ استنباط و تخریج کے امور میں ان کی نظر بڑی گہری تھی اور اُن کے فروع پر بہت توجہ تھی۔ اگر تمھیں ہمارے اس قول کی حقیقت جاننا مقصود ہے تو امام محمدؒ کی تصنیف کتاب الآثار، عبدالرزاق کی جامع اور ابوبکر بن ابی شیبہ کی مُصنّف سے ابراہیم نخعی کے اقوال منتخب کرو۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب سے اُن کا مقابلہ کرو۔ تم دیکھو گے کہ وہ بہت کم چیزوں میں ابراہیم کے راستے سے ہٹتے ہیں اور جہاں وہ بہت ہی کم چیزوں میں اس راستے سے ہٹتے ہیں، تو وہ ان میں فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے مشہور ابو یوسف تھے۔ وہ ہارون الرشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ بنے۔ اُن کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب اور اُن پر عمل درآمد عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں پھیلا۔ اُن کے اصحاب میں تصنیف و تالیف میں سب سے بہتر اور درس و تدریس کو سب سے بڑھ کر لازم پکڑنے والے محمد بن الحسن تھے۔ اُن کے حالات یہ ہیں کہ انھوں نے فقہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف سے حاصل کی۔ پھر مدینہ گئے۔ اور امام مالکؒ سے انھوں نے موطا پڑھی۔ بعد ازاں انھوں نے خود غور و خوض کیا اور اپنے اصحاب کے مذہب کے ایک ایک مسئلے کا امام مالک کی موطا سے مقابلہ کیا۔ اگر کسی مسئلے میں

دونوں میں مطابقت ہوتی تو خیر۔ ورنہ اگر انھوں نے دیکھا کہ صحابہ اور تابعین میں سے کچھ لوگ اُن کے اصحاب کے مذہب کی طرف گئے ہیں تو اس صورت میں وہ اس مسئلے کو ویسے ہی رہنے دیتے اور اگر انھوں نے اپنے اصحاب کے قیاس کو کمزور اور استنباط و تخریج کو نرم پایا اور اُسے ایسی صحیح حدیث کے مخالف پایا جس پر کہ فقہا نے عمل کیا یا اکثر علما کا عمل اُن کے اصحاب کے مسئلے کے خلاف ہے تو وہ اسے ترک کر کے سلف کا وہ مذہب اختیار کرتے جو اُن کے نزدیک قابلِ ترجیح ہوتا . . .

امام محمدؒ نے کتابیں تصنیف کیں اور یہ تینوں (امام ابوحنیفہؒ۔ ابویوسفؒ اور محمدؒ) کی آرا جمع کیں۔ اس سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچا۔ بعد میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب ان تصنیفات کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے ان کی تلخیص کی۔ اُن کے مطالب کو عام فہم بنایا۔ اُن سے استنباطات کیے اور ان سے استدلال کیے پھر یہ اصحاب خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گئے۔ اور یہ تمام کا تمام مذہب امام ابوحنیفہؒ مشہور ہوا...

امام شافعیؒ کی اُس زمانے میں نشو و نما ہوئی جب دونوں مذاہب (مالکی اور حنفی) کے ظہور کا اوائل تھا اور اُن کے اصول و فروع مرتب ہو رہے تھے، امام شافعیؒ نے اپنے پہلوں کے کام کو دیکھا۔ اُس میں انھوں نے بعض ایسی باتیں پائیں جنھوں نے اُن کو پہلوں کی راہ پر چلنے سے روک دیا۔ ان باتوں کا ذکر انھوں نے اپنی تصنیف کتاب الاُم کے شروع میں کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے پہلوں کو دیکھا کہ وہ مرسل اور منقطع ہر دو قسم کی حدیثوں کو لیتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کے مذہب میں خلل واقع ہوتا ہے کیونکہ جب حدیث کی تمام اسناد جمع کی جاتی ہیں تو اُن سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سی مرسل حدیثیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور بہت سی مسند حدیثیں ہیں، جو مرسل حدیثوں کی مخالف ہیں۔ اس پر امام شافعیؒ نے یہ طے کیا کہ وہ کسی مرسل حدیث کو نہیں لیں گے، جب تک کہ وہ ان کی شرطوں پر پوری نہ اُترے اور یہ شرطیں اصول کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نیز یہ کہ مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے قواعد پہلوں کے ہاں منضبط نہ تھے۔ اس سے اُن کے اجتہادوں میں خلل در آتا تھا۔ امام شافعیؒ نے تطبیق کے اصول وضع کیے اور انھیں اپنی کتاب میں مدون کیا۔ اصولِ فقہ میں یہ پہلی چیز تھی جو مدون ہوئی . . بعض صحیح حدیثیں علمائے تابعین اور جن لوگوں سے فتوے لیے جاتے تھے، اُن تک نہیں پہنچی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے خود اجتہاد کیا۔ عمومی اصولوں کو اختیار کیا اور اپنے پیش رو صحابہ کرام کی اقتدا کی، اور اسی کے مطابق فتوے دیے، بعد ازاں تیسرے طبقے میں وہ صحیح

حدیثیں ظاہر ہوئیں تو بعد والوں نے اُن پر یہ گمان کر کے عمل نہ کیا کہ وہ ان کے شہر والوں کے عمل اور ان کی سنت کے جس میں کہ اُن کے نزدیک کوئی اختلاف نہ تھا، مخالف تھیں اور یہ بات اُن کے نزدیک حدیث میں موجب طعن اور علتِ سقوط ہے۔ یا وہ صحیح حدیثیں اس کے بعد ظاہر ہوئیں، جب اہلِ حدیث نے طُرقِ حدیث کو جمع کرنے کی طرف توجہ کی اور اس کے لیے وہ ملکوں ملکوں پھرے اور علم حدیث کے حاملین کو انھوں نے ڈھونڈا۔

امام شافعیؒ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے علما کا برابر یہ معمول رہا کہ وہ ہر مسئلے کے لیے حدیث تلاش کرتے اور جب وہ اسے نہ پاتے تو استدلال کی کوئی دوسری نوع کو اختیار کرتے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر اس بارے میں ان کی کوئی حدیث مل جاتی تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کرتے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو صحابہ یا تابعین کا کسی مسئلے میں حدیث سے تمسک نہ کرنا اس حدیث کے حق میں موجبِ طعن نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ وہ خود اس کے موجبِ طعن ہونے کی علت کی نشان دہی کر دیں۔ اور یہ کہ امام شافعیؒ کے زمانے میں صحابہ کرام کے اقوال جمع ہوئے، اور وہ کثیر التعداد تھے۔ اُن میں باہم اختلاف تھا۔ امام شافعیؒ نے دیکھا کہ ان اقوال میں سے بہت سے اس لیے صحیح حدیث کے خلاف ہیں کہ اُن صحابہ تک صحیح حدیث نہیں پہنچی تھی اور انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ سلف ایسے معاملے میں برابر حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس صورت میں امام شافعیؒ نے صحابہ کرام کے اُن اقوال سے تمسک کرنا ترک کر دیا، جن میں کہ وہ متفق نہ تھے اور کہا کہ "ہم رجال ہیں ہم رجال" اور یہ کہ امام شافعیؒ نے دیکھا کہ فقہا میں سے بعض لوگ ہیں کہ وہ رائے کو جسے شریعت نے جائز نہیں کیا، قیاس سے جس کا شریعت نے اثبات کیا ہے، خلط ملط کرتے ہیں۔ یعنی ایک کو دوسرے سے متمیز نہیں کرتے۔ کبھی وہ اس رائے کو استحسان کا نام دیتے ہیں اور رائے سے میری مُراد یہ ہے کہ کسی حرج یا مصلحت کے موقع کو حکم کی علت ٹھہرایا جائے۔ قیاس یہ ہے کہ حکم منصوص سے علت نکالی جائے اور اسی علت پر حکم کا مدار ہو۔ الغرض امام شافعیؒ نے رائے کی اس نوع کو پوری طرح باطل قرار دیا اور کہا کہ جو کوئی استحسان کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ خود شارع بنے۔۔۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے جب اس طرح کے امور میں پہلوں کا یہ وتیرا دیکھا تو انھوں نے فقہ پر نئے سرے سے بحث کی۔ چنانچہ انھوں نے اس کے اصول بنائے۔ ان اصولوں سے فروع کا استنباط کیا اور کتابیں تصنیف کیں۔ اس سلسلہ میں اُنھوں نے بڑا اچھا کام کیا اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ اُن

کے پاس فقہا کا اجتماع ہوا۔ انھوں نے امام شافعی کی کتابوں کا اختصار کیا۔ ان کی شرح اور متن سے استدلال اور تخریج و استنباط میں مدد لی۔

بعد ازاں یہ فقہا شہروں میں پھیل گئے۔ غرض یہ ہے امام شافعیؒ کا مذہب (فقہ)

چند معاشی مسائل اور اسلام

(سید یعقوب شاہ)

اسلامی ممالک صدیوں کی نیند کے بعد بیدار ہوئے ہیں اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے اور آگے بڑھنے کے لیے انھیں جدید مسائل کو حل کرنا اور معاشرہ کے نئے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنی اجتہادی بصیرتوں کو بروئے کار لائیں اور عصر حاضر کے مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور کر کے ایسی راہ اختیار کریں جو احکام اسلامی کے مطابق ہو اور دور جدید کے مسلم معاشرے کی ضروریات بخوبی پوری کر سکے۔ یہ کتاب لکھنے میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف جناب سید یعقوب شاہ پاکستان کے آڈیٹر جنرل اور حکومت مغربی پاکستان کے وزیر مالیات تھے۔ وہ اقتصادیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ربٰو، زکوٰۃ اور بیمہ جیسے زندہ اور اہم مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ اور کتاب و سنت، تاریخ، عمرانیات اور اقتصادیات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکر سلیس انداز میں قلم بند کیے ہیں۔ صفحات ۲۵۹، قیمت قسم اول ۷/۵۰ دوم ۵/-

اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی

(مولانا محمد جعفر پھلواروی)

پاکستان کی آبادی میں ہر سال دس لاکھ نفوس کا اضافہ ہو رہا ہے اور وسائل زندگی اور انسانی آبادی میں توازن برقرار رکھنے کے لیے تحدید نسل ضروری ہے اس کتاب میں دینی اور عقلی شواہد سے اس اہم مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ طبع دوم مع اضافہ۔ صفحات ۱۲۸ - قیمت: ۲.۷۵

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور